حاکم کے لیے "امین" کا شرعی مفہوم اور تقاضے

ڈاکٹر حافظ حسن مدنی *

According to the Article number 62 of the Constitution of Pakistan, the eligibility criteria for the member of the parliament include the condition of Amānah (integrity). The following article discusses a number of questions: what is the meaning of Amīn (trust worthy individual) in the view of Qur'ān and Sunnah; where in the Qur'ān the condition of Amānah is applied; what are the different types and implications of Amānah in the context of Sharī'ah, status and property; what guidance do we get in this regard from the Islamic scholarship; and how the Prophetic tradition seeks to penalize the perpetrator who fails to uphold the value of Amānah in the aforementioned aspects?

پاکستان ایک 'اسلامی جمہوریہ' ہے۔ پاکستانی دستور نے متعدد آرٹیکلز کے ذریعے اس امر کو تحفظ دے رکھا ہے کہ یہاں کوئی قانون خلافِ اسلام نہیں بن سکتا۔ پاکستانی دستور میں آرٹیکل 2ء الف، 203، 227 وغیرہ اور اپنے عہدے کے حلف کی بنا پر اس امر کی کوشش کی گئی ہے کہ یہاں کا سیاسی نظام اسلامی تقاضوں سے قریب تر ہو۔ یہ پاکستان کی اہم ترین نظریاتی بنیاد ہے۔

اس مقصد کے لئے پاکستانی پارلیمنٹ کے اراکین کی بعض شرائط مقرر کی گئی ہیں تاکہ پاکستانی مقننہ میں ایسے اہل حِل وعقد پہنچ سکتے ہیں جو شریعت پر عمل پیرا اور اس کا خاطر خواہ علم رکھتے ہوں۔ دستورِ پاکستان کے آرٹیکل 62 (1) یہ واضح کرتا ہے کہ

"کوئی [مسلم] شخص مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) کا رکن منتخب ہونے یا چنے جانے کا اہل نہیں ہوگا، اگر

(د) وہ اچھے کردار کا حامل نہ ہو اور عام طور پر احکام اسلام سے انحراف میں مشہور ہو۔

(ھ) وہ اسلامی تعلیمات کا خاطر خواہ علم Adequate knowledge of Islamic teachings نہ رکھتا ہو اور اسلام کے مقرر کردہ فرائض کا پابند، نیز کبیرہ گناہوں سے مجتنب نہ ہو۔

(و) وہ سمجھ دار، پارسا نہ ہو اور فاسق ہو۔ اور ایماندار اور امین Honest and Ameen نہ ہو۔ عدالت نے اس کے برعکس قرار نہ دیا ہو۔"[1]

دستور کے اس آرٹیکل میں امین کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کی وضاحت دستور میں نہیں کی گئی۔ کیونکہ یہ ایک قرآنی اور شرعی اصطلاح ہے، اس لئے ہمیں دیکھنا چاہیے کہ 'امین وامانت' کے حوالے سے قرآن وسنت کا اصولی مطالبہ کیا ہے، اور شریعتِ اسلامیہ میں امانت کے کیا کیا تقاضے ہیں۔ ذیل میں

* اسسٹنٹ پروفیسر، ادارہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور۔

ان امور کو قرآن وسنت اور ائمہ کرام کے اقوال کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے۔

قرآن وحدیث میں قائدانہ اَوصاف واہلیت

قرآنِ کریم میں مذکور کئی واقعات میں قیادت کے تعین کے بارے میں رہنمائی موجود ہے:

قوم بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے اُن کے نبی سیموئیل کے ذریعے جب حاکم کا تعین فرمایا تو ارشاد ہوا:

﴿وَ قَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْۤا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَ نَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَ لَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَ زَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَ الْجِسْمِ ؕ وَ اللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝۲۴۷﴾

"ان کے نبی نے ان سے کہا کہ اللہ نے تمہارے لیے طالوت کو بادشاہ مقرر کیا ہے۔" وہ کہنے لگے: "بھلا ہم پر حکومت کا حقدار وہ کیسے بن گیا؟ اس سے زیادہ تو ہم خود حکومت کے حقدار ہیں اور اس کے پاس تو کچھ مال ودولت بھی نہیں۔" نبی نے کہا: "اللہ نے تم پر حکومت کے لیے اسے ہی منتخب کیا ہے۔ اور علمی اور جسمانی اہلیت اسے تم سے زیادہ دی ہے اور اللہ جسے چاہے اپنی حکومت دے دے، وہ بڑی وسعت والا اور جاننے والا ہے۔" (البقرۃ:247)

مولانا اشرف علی تھانوی □ اپنی تفسیر 'بیان القرآن' میں اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

"بادشاہ ہونے کے لیے اس علم کی ضرورت زیادہ ہے تاکہ ملکی انتظام پر قادر ہو اور جسامت بھی بایں معنی مناسب ہے کہ موافق ومخالف کے قلب میں وقعت وہیبت پیدا ہو۔"

اس آیت میں علم اور جسم کی برتری کو حکومت ملنے کی وجہ قرار دیا گیا ہے، جبکہ رعایا کے مطالبے: 'مال میں کثرت' کی نفی کی گئی ہے۔

سیدنا یوسف □ کو جب اللہ تعالیٰ نے مصر میں حکومت دی، وہ قرآنی مکالمہ یوں ہے:

﴿وَ قَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖۤ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِيْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ ۝۵۴ قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآىِٕنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ۝۵۵﴾ (یوسف:54، 55)

"یوسف کہنے لگے: مجھے زمین کے خزانوں کا نگران مقرر کر دیجئے، میں ان کی حفاظت کرنے والا ہوں اور (یہ کام) جانتا بھی ہوں۔"

مدینہ یونیورسٹی کے نامور استاذِ حدیث شیخ ربیع ہادی مدخلی اس واقعہ کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

"اگر اسلامی حکومت قائم نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ ہر نفس کو اتنی ہی تکلیف دیتا ہے جتنی اس کے بس میں ہے۔ ایسی حالت میں مسلمان کسی بھی غیر مسلم حکومت کا عہدہ اس شرط پر قبول کر سکتا ہے کہ وہ انصاف پر قائم رہے گا۔ اور اللہ کی نافرمانی میں ان کی اطاعت نہیں کرے گا۔ اور اللہ کے قانون کے خلاف فیصلہ نہیں کرے گا۔ جیسا کہ سیدنا یوسف □ نے کیا، جب آپ نے ایک کافر بادشاہ کی

نیابت کا منصب سنبھالا جو اللہ کی شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتا تھا، جیساکہ قرآن ارشاد فرماتا ہے: ﴿مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ﴾(یوسف:76)''آپ اپنے بھائی (بنیامین) کو بادشاہ کے دین (قانون) کی رو سے روک نہیں سکتے تھے، مگر یہ کہ اللہ چاہتا۔'' لیکن آپ کافر نظام حکومت کے اعلیٰ منصب پر فائز رہتے ہوئے بھی رعایا کے مابین انصاف کرتے رہے، اور انہیں توحید کی دعوت دیتے رہے۔ اس میں ان لوگوں کی زبردست تردید ہے جو عقیدہ توحید کو ہیچ سمجھتے ہوئے شرک اور اہل شرک سے تال میل رکھنے اور پینگیں بڑھانے (عہدے قبول کرنے) کی بات کرتے ہیں۔''[2]

اس آیتِ کریمہ میں سیدنا یوسف نے اپنے ذمہ دار ہونے پر جو استدلال قائم کیا، وہ حفیظ علیم کا ہے۔ جبکہ عزیز مصر نے ان کی اہلیت کو یوں ذکر کیا کہ آج تو ہمارے نزدیک قدر و منزلت والا اور امانت دار ہے۔ گویا کہ یہاں سے چار اوصاف حاصل ہوئے اور قرآن نے کسی کی تردید نہیں کی۔

سیدنا موسیٰ کو جب مصر سے نکلنا پڑا اور وہ مدین کی سرزمین میں گئے تو وہاں انہیں شعیب نامی ایک بزرگ شخصیت نے اپنے ہاں ملازمت دی۔ اس موقع کا تذکرہ قرآن کریم میں یوں ہے:

﴿قَالَتْ إِحْدَاهُمَا يَا أَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ﴾ (القصص:26)

''ان میں سے ایک بولی: ابا جان! انہیں آپ اپنا ملازم رکھ لیجئے۔ بہترین آدمی جسے آپ ملازم رکھنا چاہیں، وہی ہو سکتا ہے جو طاقتور اور امین ہو۔''

اس آیتِ کریمہ میں کسی ذمہ داری کے لئے امین اور قوی کا وصف بیان کیا گیا ہے۔ اس کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا عبدالرحمن کیلانی لکھتے ہیں:

''معلوم ہوا کہ ملازمت کے لئے دو باتوں کو دیکھنا ضروری ہے ایک یہ کہ جس کام کے لئے کوئی شخص ملازم رکھا جا رہا ہے، وہ اس کی اہلیت بھی رکھتا ہے یا نہیں۔ بالفاظِ دیگر اس کام کا اسے پہلے سے کچھ علم اور تجربہ ہے؟ اور اگر کوئی محنت والا کام ہے تو کیا اس کی جسمانی حالت اور قوت اتنی ہے کہ وہ اس کام کو بجا لا سکے۔ اور دوسرے یہ کہ وہ دیانتدار اور امین ہو۔ اور یہ دیانت و امانت دین سے بیزار اور خدا فراموش آدمیوں میں کبھی پیدا نہیں ہو سکتی۔

اب تعجب کی بات یہ ہے کہ جب کسی شخص نے کوئی نجی یا گھریلو ملازم رکھنا ہو تو وہ ان دونوں باتوں کو ملحوظ رکھتا ہے تو سرکاری ملازمتوں کے وقت صرف شرطِ اول یعنی اہلیت کو تو ملحوظ رکھا جاتا ہے لیکن دوسری شرط کو یکسر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اور غالباً اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ملازم رکھنے والے افسروں میں بھی یہ دوسری شرط مفقود ہوتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ رشوت عام ہو جاتی ہے جس کا تعلق ملازمین سے ہی ہوتا ہے۔ لوگوں کے حقوق غصب اور تلف ہوتے ہیں۔ ظالمانہ قسم کی حکومت قائم ہو جاتی ہے اور عوام کے لئے اتنی شکایات اور مسائل اٹھ کھڑے ہوتے ہیں جن کا

حل ناممکن ہو جاتا ہے۔ اور اس کی وجہ صرف اور صرف یہ ہوتی ہے کہ شرائطِ ملازمت میں سے دوسری شرط دیانت وامانت کو درخورِ اعتنا سمجھا ہی نہیں جاتا۔"

روح القدس سیدنا جبرائیل □ کو اللہ جل جلالہ نے بہت بھاری ذمہ داری دیے رکھی، یعنی انبیاے کرام تک اللہ تعالیٰ کا پیغام رسالت پہنچانا۔ اس اہم ترین ذمہ داری کے لئے ان کا جو وصف قرآن کریم نے ذکر کیا، ملاحظہ فرمایئے:

﴿اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۙ﴿١٩﴾ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۙ﴿٢٠﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ؕ﴿٢١﴾﴾

"یہ ایک معزز فرشتے کی بات ہے۔ جو طاقت ور اور عرش کے مالک اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی منزلت والے ہیں۔ آپ کی اطاعت کی جاتی ہے، وہاں (اس کے پاس وہ) امانت دار بھی ہیں۔"

﴿وَ اِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ؕ﴿١٩٢﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۙ﴿١٩٣﴾ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿١٩٤﴾﴾ (الشعراء: 192- 194)

"بلاشبہ یہ (قرآن) رب العالمین کا نازل کردہ ہے۔ جسے روح الامین لے کر آپ کے دل پر نازل ہوا۔ تاکہ آپ ڈرانے والوں میں شامل ہو جائیں۔"

سیدنا جبریل □ کے لئے 'امین' کا لفظ مالی امانت کی بجائے سراسر فرض رسالت کی تکمیل پر بولا گیا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کو سونپا تھا۔ ثابت ہوا کہ 'امین' کا مفہوم کافی وسیع تر ہے۔

سید المرسلین نبی مکرم ﷺ کا تو لقب ہی صادق وامین ہے، جب بیت اللہ کی تعمیر نو کے بعد حجر اسود کو رکھنے کا مرحلہ آیا تو بولے: الْأَمِينُ وَكَانُوا يُسَمُّونَهُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ الْأَمِينَ فَقَالُوا يَا مُحَمَّدُ قَدْ رَضِينَا بِكَ [3]

"یہ تو امین آئے ہیں اور جاہلیت میں آپ کو امین کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا، ہم آپ پر خوش ہیں۔"

آپ نے سیدہ خدیجہؓ کے ساتھ نکاح سے پہلے جب کاروبار کیا، تو پوری امانت داری کا مظاہرہ کیا۔

ایک موقع پر کسی نے آپ کی تقسیم پر اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا:

«أَلاَ تَأْمَنُونِي وَأَنَا أَمِينُ مَنْ فِي السَّمَاءِ، يَأْتِينِي خَبَرُ السَّمَاءِ صَبَاحًا وَمَسَاءً» [4]

"تم مجھے کیوں امین نہیں سمجھتے، حالانکہ اس اللہ نے مجھے امین قرار دیا ہے جو آسمان پر ہے اور اس آسمان والے کی خبریں میرے پاس صبح وشام آتی ہے۔"

سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے مروی لمبی حدیث کے آخر میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

«قَدْ عَلِمَ أَنِّي مِنْ أَتْقَاهُمْ لِلّٰهِ، وَآدَاهُمْ لِلْأَمَانَةِ» [5]

"اسے خوب معلوم ہے کہ میں لوگوں میں اللہ سے سب سے زیادہ ڈرنے والا اور امانت کو سب سے زیادہ ادا کرنے والا ہوں۔"

توحید ورسالت کی دعوت پر مشرکین مکہ کی شدید ناراضی کے باوجود، کفار قریش آپ کے پاس ہی

اپنی امانتیں رکھواتے تھے۔ چنانچہ جب نبی کریم ﷺ کو ہجرت مدینہ پر مجبور ہونا پڑا تو آپ نے سیدنا علی □ کو پیچھے چھوڑا تا کہ وہ آپ کی امانتیں اصل مالکوں کو ادا کر کے آئیں۔

نبی کریم ﷺ کا پیغام ہی امانت تھا، جیسا کہ نجاشی کے سامنے پیغام نبوت کی وضاحت کرتے ہوئے سیدنا جعفر طیار □ کہتے ہیں: حتى بَعَثَ الله إِلَيْنَا رَسُولاً مِنَّا نعْرِفُ نَسَبَهُ وَصِدْقَهُ وَأَمَانَتَهُ وَعَفَافَهُ، وَأَمَرَنَا بِصِدْقِ الحديث وَأَدَاءِ الأَمَانَةِ وَصِلَةِ الرَّحِمِ وَحُسْنِ الْجِوَارِ[6]

''حتی کہ اللہ نے ہم میں ایک رسول کو مبعوث فرمادیا، جس کے نسب وصداقت اور عفت وامانت کو ہم جانتے پہچانتے ہیں۔ اس نے ہمیں سچائی، امانتوں کی ادائیگی، صلہ رحمی اور ہمسائے سے حسن سلوک کا درس دیا۔''

اور قیصر روم ہرقل نے اپنے دربار میں ابوسفیان (□) کو جواب دیتے ہوئے کہا:

وَيَأْمُرُكُمْ بِالصَّلاَةِ، وَالصَّدَقَةِ، وَالعَفَافِ، وَالوَفَاءِ بِالعَهْدِ، وَأَدَاءِ الأَمَانَةِ، قَالَ: وَهَذِهِ صِفَةُ النَّبِيِّ

''تمہیں وہ نماز، صدقہ، پاک بازی، ایفاے عہد اور اداے امانت کا حکم دیتے ہیں۔ پھر وہ کہنے لگا کہ ایک نبی کی یہی صفت ہے۔''

قرآن کریم میں سیدنا ہود □ کا یہ فرمان موجود ہے:

﴿اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ۝۶۸﴾ (الاعراف: 68)

''میں اپنے پروردگار کا پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہارا امین خیر خواہ ہوں۔''

یہاں امانت سے مراد اللہ کے پیغام اور رسالت کی کماحقہ تبلیغ ہے۔ جیسا کہ اوپر مذکور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اپنی اسی امانت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

اور سیدنا نوح نے اپنی دعوت کو ان الفاظ میں پیش کیا:

﴿اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝۱۰۶ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝۱۰۷ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ۝۱۰۸﴾

''جب ان کے بھائی نوح نے انہیں کہا: اللہ کا تقوی کیوں اختیار نہیں کرتے۔ میں تمہاری طرف امانت دار پیغمبر ہوں۔ اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔''

یہی بات سیدنا ہود اور سیدنا موسیٰ سمیت سب پیغمبروں نے اپنی قوم سے کہی اور یہ جملہ سورۃ الشعراء میں پانچ انبیا کی زبانی آیا ہے: ﴿اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝۱۲۵﴾ (الشعراء:107، 125،

(178،143،162

﴿اَنْ اَدُّوْۤا اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰهِ ؕ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ﴾ (الدخان: 18)

"اللہ کے بندوں کو میرے حوالے کرو، میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں۔"

سیدنا علی سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا:

قَالَ: قِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ، مَنْ نُؤَمِّرُ بَعْدَكَ؟ قَالَ: «إِنْ تُؤَمِّرُوا أَبَا بَكْرٍ، تَجِدُوهُ أَمِينًا، زَاهِدًا فِي الدُّنْيَا، رَاغِبًا فِي الْآخِرَةِ، وَإِنْ تُؤَمِّرُوا عُمَرَ تَجِدُوهُ قَوِيًّا أَمِينًا، لَا يَخَافُ فِي اللهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ، وَإِنْ تُؤَمِّرُوا عَلِيًّا - وَلَا أُرَاكُمْ فَاعِلِينَ - تَجِدُوهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا، يَأْخُذُ بِكُمُ الطَّرِيقَ الْمُسْتَقِيمَ »[8]

"آپ کے بعد کس کو خلیفہ بنائیں تو آپ بولے: اگر ابو بکر کو بناؤ گے تو ان کو امین اور دنیا سے بے رغبت اور آخرت کا متلاشی پاؤ گے۔ اگر عمر کو بناؤ گے تو انہیں امین اور طاقتور پاؤ گے جو اللہ کے دین میں کسی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ اگر تم علی کو بناؤ گے اور مجھے نہیں لگتا کہ تم ایسا کرو تو انہیں رہنما اور ہدایت یافتہ پاؤ گے جو تمہیں سیدھے راستے پر لے جائے گا۔"

سیدنا سلیمان کے سامنے جس عفریت جن نے ملکہ سبا کا تخت لانے کی ذمہ داری کا دعویٰ کیا تو اپنی اہلیت یوں بیان کی:

﴿قَالَ عِفْرِیْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَ اِنِّیْ عَلَیْهِ لَقَوِیٌّ اَمِیْنٌ﴾(النمل:39)

"ایک دیو ہیکل جن نے کہا: آپ کے دربار کو برخواست کرنے سے پہلے میں اسے لا سکتا ہوں۔ میں اس کام کی پوری قوت رکھتا ہوں اور امانت دار بھی ہوں۔"

نبی کریم جن کو اپنا عامل و گورنر بنا کر بھیجتے، ان کی شان کیا ہوتی؟ سیدنا حذیفہؓ بن یمان سے مروی ہے کہ نبی کریم نے اہل نجران کو فرمایا: «لَأَبْعَثَنَّ إِلَيْكُمْ رَجُلًا أَمِينًا حَقَّ أَمِينٍ فَاسْتَشْرَفَ لَهَا أَصْحَابُ النَّبِيِّ ﷺ فَبَعَثَ أَبَا عُبَيْدَةَ»[9]

" میں تمہارے پاس ایک امانت دار آدمی جو حقیقی امانت دار ہو گا بھیجوں گا۔ آنحضرت ﷺ کے صحابہ منتظر رہے (کہ کون اس صفت سے موصوف ہے؟) تو آپ نے حضرت ابو عبیدہ کو بھیجا۔"

آپ ﷺ نے سیدنا ابو عبیدہ بن جراح کو اپنی امّت کا امین (أمین هذه الأمة) کا لقب[10] دیا۔ اور سیدنا عمرؓ نے کہا کہ اگر آج ابو عبیدہؓ زندہ ہوتے تو میں خلافت کی ذمہ داری ان کے سپرد کر کے بری الذمہ ہو جاتا۔

نبی کریم کے صحابہ کرام اپنی حکومتوں و مناصب میں پوری طرح امانت دار تھے، چنانچہ جب سیدنا عمر کو مسجد نبوی میں شدید زخمی کر دیا گیا تو سیدنا ابن عباس سب سے پہلے ان کے پاس پہنچے اور ان کو تسلی

دی، جن میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ وولّيتَ أمرَ المؤمنين فقويت، وأدّيت الأمانةَ
"آپ مؤمنوں کے حاکم بنے تو وہ طاقتور ہو گئے اور آپ نے امانت کو خوب ادا کیا۔"

جس کا جواب سیدنا عمر نے یوں دیا:

وأمّا قولك في أمر المؤمنين، فو الله لوددتُ أنّ ذلك كفافًا لا لي ولا عَلَيّ...[11]

"جہاں تک آپ کی مسلمانوں کی ذمہ داری پورا کرنے کی بات ہے تو میری تمنا ہے کہ اس میں برابر چھوٹ جاؤں، نہ میرا کوئی حق ہو اور نہ ان کا مجھ پر کوئی حق رہے۔"

خلفائے راشدین اپنی شوریٰ (اہل الحل والعقد) میں جن لوگوں کو شامل رکھتے، ان کا لازمی وصف کیا تھا؟

وَكَانَتِ الأَئِمَّةُ بَعْدَ النَّبِيِّ ﷺ يَسْتَشِيرُونَ الأُمَنَاءَ مِنْ أَهْلِ العِلْمِ فِي الأُمُورِ المُبَاحَةِ لِيَأْخُذُوا بِأَسْهَلِهَا...[12]

"نبی کریم ﷺ کے بعد جتنے امام اور خلیفہ ہوئے، وہ اہل علم میں سے امانت داروں سے جائز کاموں میں مشورہ لیا کرتے تا کہ آسان تر حل کو اختیار کریں..."

مذکورہ بالا آیات واحادیث سے علم ہوا کہ عہدہ یا ذمہ داری کی شرعی صفات حسبِ ذیل ہیں:

امین جیسا کہ نبی کریم، جبریل، سیدنا موسیٰ، یوسف و جملہ انبیا و خلفا کے لئے ذکر ہوا۔

صادق جیسا کہ کوہِ صفا پر نبی کریم ﷺ نے اپنے صادق ہونے کا حوالہ دیا، اور سیدنا اسماعیل اور سیدنا یوسف کو قرآنِ مجید نے صادق قرار دیا۔[13] بہت سے انبیا صدیق کہلائے۔

حفیظ جیسا کہ سیدنا یوسف کے بارے میں آیا۔

علم جیسا کہ سیدنا یوسف اور بادشاہ طالوت کے بارے میں بیان ہوا۔

طاقتور (قوی) جیسا کہ سیدنا جبریل اور سیدنا موسیٰ کے بارے میں ذکر ہوا۔

جسم جیسا کہ بادشاہ طالوت کے بارے میں بیان ہوا۔

تمکین (وجاہت) جیسا کہ سیدنا یوسف اور جبریل امین کے بارے میں پتہ چلا۔

دوسری اور تیسری صفت صادق اور حفیظ امین کے قریب المعنی ہیں، کیونکہ امانت سے مراد زبان وبیان کی صداقت اور امانات کی حفاظت بھی ہے۔ جبکہ قوّت کے تحت پانچویں اور چھٹی صفت جسم اور علم بھی آسکتی ہیں اور اَہلیّت یا اَصلحیّت کا لفظ ان تمام صفات کا جامع ہے جس میں مناسبت کے لحاظ سے ہر وصف شامل ہے۔

"امین و امانت" کا شرعی و سیاسی مفہوم

مذکورہ بالا صفات میں اصل صفت 'امین' کی ہے اور یہ ہر قسم کی ذمہ داری، عہدے اور منصب کا اصل الاصول ہے۔ قرآنِ کریم کی آیۃ الأمراء میں ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ۝۵۸ ﴾ (النساء: 58)

"اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ جو لوگ امانتوں کے حقدار ہیں، انہیں یہ امانتیں ادا کردو۔ اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کرو۔ اللہ تعالیٰ یقیناً تمہیں اچھی نصیحت کرتا ہے اور وہ سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔"

اس آیت کی تفسیر میں مولانا مفتی محمد شفیع □ لکھتے ہیں:

"قرآن نے لفظ 'امانات' بصیغہ جمع استعمال فرمایا جس میں اشارہ ہے کہ امانت صرف یہی نہیں کہ کسی کا کوئی مال کسی کے پاس رکھا ہو جس کو عام طور پر امانت کہا اور سمجھا جاتا ہے، بلکہ امانت کی کچھ اور قسمیں بھی ہیں۔ آیت کے نزول کا جو واقعہ [بیت اللہ کی کنجی والا] ابھی ذکر کیا گیا خود اس میں بھی کوئی مالی امانت نہیں، بیت اللہ کی کنجی کوئی خاص مال نہ تھا، بلکہ یہ کنجی خدمتِ بیت اللہ کے ایک عہدہ کی نشانی تھی۔

حکومت کے مناصب اللہ کی امانتیں ہیں: اس سے معلوم ہوا کہ حکومت کے عہدے اور منصب جتنے ہیں، وہ سب اللہ کی امانتیں ہیں جس کے [بالخصوص] امین وہ حکام اور افسر ہیں جن کے ہاتھ میں عزل و نصب کے اختیارات ہیں، ان کے لئے جائز نہیں کہ کوئی عہدہ کسی ایسے شخص کے سپرد کر دیں جو اپنی عملی یا علمی قابلیت کے اعتبار سے اس کا اہل نہیں ہے، بلکہ ان پر لازم ہے کہ ہر کام اور ہر عہدہ کے لئے اپنے دائرہ حکومت میں اس کے مستحق کو تلاش کریں۔

کسی منصب پر غیر اہل کو بٹھانے والا ملعون ہے: پوری اہلیت والا سب شرائط کا جامع کوئی نہ ملے تو موجود لوگوں میں قابلیت اور امانت داری کے اعتبار سے جو سب سے زیادہ فائق ہو اس کو ترجیح دی جائے۔ ایک حدیث میں رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو عام مسلمانوں کی کوئی ذمہ داری سپرد کی گئی ہو پھر اس نے کوئی عہدہ کسی شخص کو محض دوستی و تعلق کی مد میں بغیر اہلیت معلوم کئے ہوئے دے دیا، اس پر اللہ کی لعنت ہے نہ اس کا فرض مقبول ہے نہ نفل، یہاں تک کہ وہ جہنم میں داخل ہو جائے۔ (جمع الفوائد: ص)"

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ، وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ»[14]

"اس شخص کا کوئی ایمان نہیں جس کو امانت کا پاس نہیں۔ اور جو عہد کی پاسداری نہیں کرتا، اس کا کوئی دین نہیں۔"

امانت کا ایک مفہوم تو عام معروف ہے : هي كلُّ حقٍّ لزمك أداؤه وحفظه[15]. یعنی "ہر ایسا حق جس کو ادا کرنا اور اس کی حفاظت کرنا لازمی ہے۔" لیکن قرآن کریم اس کو وسیع تر معانی میں استعمال کرتا ہے جس میں دینی وشرعی امانت، منصبی امانت اور مالی امانت سب شامل ہیں۔ چنانچہ امانت کی شرعی تعریف یہ ہے:

كلُّ ما افترض على العباد فهو أمانة، كصلاة وزكاة وصيام وأداء دين، وأوكدها الودائع وأوكد الودائع كتم الأسرار[16]

"ہر وہ شے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر فرض کی ہے، وہ امانت ہے جیسے نماز، روزہ، زکاۃ اور قرض وغیرہ کی ادائیگی۔ اور اس میں اہم ترین امانت میں رکھی گئی چیزوں کی ادائیگی ہے اور سب سے بڑی امانت رازوں کی حفاظت ہے۔"

مفسر قرآن امام قرطبی فرماتے ہیں:

«الأمانة تعمّ جميع وظائف الدّين، ونسب هذا القول لجمهور المفسّرين، فالأمانة هي الفرائض الّتي ائتمن الله عليها العباد، واختلف في تفاصيل بعضها على أقوال: فقيل هي أمانات الأموال كالودائع وغيرها وقيل: في كلّ الفرائض، وأشدّها أمانة المال... وقيل: هذه الأمانة هي ما أودعه الله تعالى في السّموات والأرض والجبال والخلق من الدّلائل على ربوبيّته أن يظهروها فأظهروها إلّا الإنسان فإنّه كتمها وجحدها، والمراد بالإنسان على ذلك هو الكافر والمنافق.[17]

"امانت دین کے تمام امور کو شامل ہے۔ اور یہی جمہور مفسرین کا قول ہے۔ امانت وہ فرائض ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو محافظ بنایا ہے۔ تاہم امانت کی جزئیات میں ایک سے زیادہ اقوال ہیں، کہا کہ اس سے مراد امانت شدہ اموال اور سامان وغیرہ ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ تمام فرائض دینیہ ہیں جن میں مالی امانت اہم ترین ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ امانت یہ بھی ہے کہ عورت اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے۔ بعض نے کہا کہ غسل جنابت امانت ہے۔ کہا گیا کہ نماز امانت ہے (اگر چاہے تو کہہ دے کہ میں نے پڑھی ہے اور چاہے تو کہے کہ نہیں پڑھی)۔ اسی طرح روزے، غسل جنابت اور زنانہ شرمگاہ امانت ہے۔ کان، آنکھ، زبان، پیٹ، ہاتھ اور ٹانگیں بھی (اللہ کی طرف سے) امانت ہیں۔ نبی کریم کا فرمان ہے کہ اس کا کوئی ایمان نہیں جس کو امانت کا پاس نہیں۔ اور کہا گیا کہ یہ وہی امانت ہے جو اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین، پہاڑ اور جملہ مخلوقات کو سونپی کہ ان پر اپنی ربوبیت کے دلائل پیش کر کے انہیں ان کو اپنے اوپر ظاہر کرنے کا پابند کیا تو ان سب نے اپنی ذمہ داری قبول کر کے اس ربوبیت کو ظاہر کیا اور انسان نے اس کو چھپایا اور انکار کیا۔ ایسا کرنے والا انسان کافر ومنافق ہے۔"

امین وامانت شریعتِ اسلامیہ کی اہم اصطلاح ہے۔اور اس کے مفاہیم کو واضح کرنے کے لئے اس کو تین بڑے عنوانات میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، جن میں سے پہلی دراصل جامع قسم ہے اور باقی دو اقسام (منصبی امانت اور مالی امانت) کو مزید وضاحت کے لئے علیحدہ مضمون میں پیش کر دیا گیا ہے۔

امانتِ شرعیہ

عوام کے لئے امانت سے مراد دراصل وہ سب سے بڑی امانت ہے، جو اللہ نے بنی نوع انسانیت کو دی، اور وہ قرآن کریم کی اس آیت میں ہے:

﴿إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَن يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنسَانُ ۖ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا﴾ (الاحزاب: 72)

"ہم نے اپنی امانت آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کی تو انہوں نے اسے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے مگر انسان نے اسے اٹھا لیا۔ یقیناً وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے۔"

مولانا مفتی محمد شفیع ؒ نے اس آیت کی تفسیر میں اس امانت کی لمبی تفصیلات بیان کی ہیں:

"ہم نے یہ امانت (یعنی احکام جو بمنزلہ امانت کے ہیں) آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی تھی (یعنی ان میں کچھ شعور پیدا کر کے جو کہ اب بھی ہے ان کے روبرو اپنے احکام اور بصورت ماننے کے اس پر انعام واکرام اور بصورت نہ ماننے کے اس پر تعذیب وآلام پیش کر کے ان کو لینے نہ لینے کا اختیار دیا۔ اور حاصل اس پیش کرنے کا یہ تھا کہ اگر تم ان احکام کو اپنے ذمہ رکھتے ہو تو ان کے موافق عمل کرنے کی صورت میں تم کو ثواب ملے گا اور خلاف کرنے کی صورت میں عذاب ہو گا اور اگر نہیں لیتے تو مکلف نہ بنائے جاؤ گے، اور ثواب وعذاب کے بھی مستحق نہ ہو گے، تم کو دونوں اختیار ہیں کہ اس کو نہ لینے سے نافرمان نہ ہو گے جس قدر ان کو شعور تھا، وہ اجمالاً اس قدر مضمون سمجھ لینے کے لئے کافی تھا، چونکہ ان کو اختیار بھی دیا گیا تھا)۔ سو انہوں نے (خوف وعذاب کے سبب احتمالِ ثواب سے بھی دست برداری کی اور) اس کی ذمہ داری سے انکار کر دیا اور اس (کی ذمہ داری) سے ڈر گئے (کہ خدا جانے کیا انجام ہو، اور اگر وہ اپنے ذمہ رکھ لیتے تو مثل انسان کے ان کو بھی عقل عطا کی جاتی، جو تفصیل احکام ومثوبات وعقوبات کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے۔ چونکہ اس کو نہیں منظور کیا، اس لئے عقل کی بھی ضرورت نہ ہوئی۔ غرض انہوں نے تو عذر کر دیا) اور (جب ان سموات وارض وجبال کے بعد انسان کو پیدا کر کے اس سے یہی بات پوچھی گئی تو) انسان نے (بوجہ اس کے کہ علم الٰہی میں اس کا خلیفہ ہونا مقرر تھا) اس کو اپنے ذمہ لے لیا (غالباً اس وقت تک اس میں بھی اتنا ہی ضرورت کے قدر شعور ہو گا اور غالباً یہ پیش کرنا 'اخذ میثاق' [عہدِ اَلست] سے مقدم ہے، اور وہ میثاق اسی حمل امانت کی فرع ہے، اور اس میثاق کے وقت اس میں عقل عطا کی گئی ہو گی، اور یہ کسی خاص انسان سے مثل آدم ؑ کے نہیں پوچھا گیا، بلکہ مثل اخذ میثاق کے یہ عرض بھی عام ہو گا اور

التزام بھی عام تھا۔ پس سموات وارض جبال مکلف نہ ہوئے اور یہ مکلف بنادیا گیا۔"

امین یعنی 'امانت' سے مراد دراصل اللہ تعالیٰ کی خشیت اور تقویٰ ہے، اور وہی شخص اصل امین ہے، جو سب سے بڑی امانت اور دنیا میں آنے کے مقصد سے آگاہ ہے۔ اس امانت سے مراد کلمہ طیبہ ہے یعنی اللہ کی اطاعت کو قبول کرنے کا حلف اٹھانا۔ مفسر قرآن حافظ نیسا بوری اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

> الأمانة هي الطّاعة وهي التّكليف، ثمّ ذكر أنّ التّكليف هو الأمر بخلاف ما في الطّبيعة، وهذا النّوع ليس في السّموات والأرض والجبال، لأنّ السّموات لا يطلب منها الهبوط، والأرض لا يطلب منها الصّعود ولا الحركة، والجبال لا يطلب منها السّير، وكذا الملائكة مهتمّون بالتّسبيح والتّقديس، (وإنّما في الإنسان وحده) ، وسمّي التّكليف أمانة لأنّ من قصّر فيه فعليه الغرامة ومن أدّاه فله الكرامة، وعرض الأمانة بهذا المعنى على هذه الأجرام وإباؤها من حملها هو لعدم صلوحها لهذا الأمر وقد خصّ بعضهم التّكليف بقول: «لا إله إلّا الله عزّ وجلّ»[18]

"امانت سے مراد اطاعت اور مکلف ہونا ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ تکلیف سے مراد ہے کہ کسی کو اس کی طبیعت کے مخالف چیز کا پابند بنایا جائے۔ اور یہ چیز آسمان و زمین اور پہاڑوں میں نہیں ہے کیونکہ آسمانوں سے گرنے کا مطالبہ نہیں، زمین سے بلند ہونے اور ہلتے رہنے کا تقاضا نہیں اور پہاڑوں پر چلنے کی ذمہ داری نہیں۔ ایسے ہی فرشتے صرف تسبیح و تقدیس میں ہی لگے رہتے ہیں۔ یہ مکلف بنانا صرف انسان کے لئے ہے۔ اور اس مکلف بنانے کو امانت اس لئے قرار دیا گیا، کہ جو اس میں کوتاہی کرے گا، اس پر سزا ہے۔ اور جو ادا کرے گا تو اس کے لئے عزت افزائی ہے۔ سو اس مفہوم کے ساتھ امانت کو اجرام فلکی پر پیش کیا گیا تو انہوں نے اس کو لینے سے انکار کیا کیونکہ وہ اس امانت کو اٹھانے سے قاصر ہیں۔ بعض اہل علم کا موقف ہے کہ مکلف بنانے سے مراد انسان کا کلمہ طیبہ کا اقرار کرلینا یعنی اسلام قبول کرلینا ہے۔"

حافظ نیسا بوری کا موقف کہ اس امانت سے مراد کلمہ طیبہ ہے، پوری وضاحت کرتا ہے کہ اس امانت کا امین شخص وہی ہے جو کلمہ طیبہ کا معترف ہے، باقی لوگ امین نہیں۔ نوع انسانی کا 'حمل امانت' اجمالاً اخذِ میثاق سے قبل تھا، اور تفصیلاً مسلمانوں نے کلمہ طیبہ پڑھ کر اس اقرار کی تصدیق کی۔ تاہم اُن کی یہ رائے کہ انسان کے علاوہ باقی اشیا: ارض و سماء وغیرہ اس امانت کو اٹھانے سے اصلاً قاصر تھے، محل نظر ہے۔ کیونکہ پھر اللہ کا اس امانت کو ان پر پیش کرنا بے معنی مکالمہ ٹھہرتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت بالاتر

ہے۔ اور انسان کے لئے ظلوماً جھولاً اس لئے ہے کہ انسانوں میں بھی اس امانت کو اٹھانے کی اہلیت موجود ہے، جیسا کہ صحابہ کرام □ کے ایمان کو قرآن نے مثالی ایمان اور اہل اسلام کے لئے سنتِ مطلوبہ قرار دیا ہے لیکن ظلم وجہالت کی بناپر انسان اس امانت کے تقاضے پورے نہیں کرتا۔ اسی بناپر اس کے لئے روزِ قیامت جزاو سزا ہے۔

اور دوسری آیت میں قرآن کریم کو اس 'امانت' کا مصداق بتایا گیا کہ

﴿ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ ﴾(الحشر: 21)

"اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو آپ دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے دبا جارہا ہے اور پھٹا پڑتا ہے۔ اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے سامنے اس لئے بیان کرتے ہیں کہ وہ غور وفکر کریں۔"

اور کلمہ طیبہ یا قرآن کریم، دونوں کا مصداق ایک ہی ہے، یعنی شریعت اسلامیہ پر عمل کرنے کا اللہ تعالیٰ سے وعدہ کرنا اور یہی اصل شرفِ انسانیت ہے، جس کی بناپر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں پر انسان کو فضیلت دے کر دنیا میں بھیجا کہ انسانوں میں بعض لوگ اللہ کی امانت کو قبول کرتے ہوئے، ہر نظام حیوۃ میں اس کی بندگی کریں گے۔ جیسا کہ اس امانت کی وضاحت کرتے ہوئے حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

ما قيل في الآية الكريمة من الأقوال العديدة لا تنافي بينها، بل هي متّفقة وراجعة إلى أنّها التّكليف وقبول الأوامر والنّواهي بشرطها، وهو أنّه إن قام بذلك أثيب، وإن تركها عوقب.[19]

"اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں منقول متعدد اقوال ایک دوسرے کے منافی نہیں بلکہ سب ہی اس پر متفق اور مرکوز ہیں کہ اس سے مراد انسان کو اوامر ونواہی کا یوں مکلف بنانا ہے کہ اگر انسان ان کو پورا کرے تو اس کو ثواب ملے گا، ورنہ سزا کا مستحق ٹھہرے گا۔"

امانت کی تفسیر شرعی اوامر ونواہی کی پابندی قبول کرنا ہے، اور یہی موقف حبر الامۃ سیدنا ابن عباسؓ، حسن بصری، مجاہد، سعید بن جبیر، ضحاک بن مزاحم، ابن زید اور اکثر مفسرین رحمہم اللہ کا ہے۔[20]

الغرض امین وامانت شریعتِ اسلامیہ کا اہم حکم ہے جس میں 'اللہ کے تمام فرائض کو اس کے احکامات کے مطابق انجام' دینے کا مطالبہ پایا جاتا ہے۔ اور یہی وہ امانت ہے جو انسان کے اشرف المخلوقات ہونے اور دنیا میں آنے بلکہ عطائے عقل کی بنیاد بنی، اور اسی کی بناپر روزِ محشر انسان کی جزاو سزا ہو گی۔ امانت کے شرعی تقاضے میں فرد اور معاشرہ کی ہر سطح مخاطب ہے کیونکہ اللہ نے سب کو ہی ذمہ دار بنایا ہے۔

دوسری قسم: منصبی امانت

خواص کے لئے امانت کا مفہوم: عہدے اور مناصب کی امانت ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے جسے سیدنا ابوذرؓ نے روایت کیا ہے:

«قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَلَا تَسْتَعْمِلُنِي؟ قَالَ: فَضَرَبَ بِيَدِهِ عَلَى مَنْكِبِي، ثُمَّ قَالَ: «يَا أَبَا ذَرٍّ، إِنَّكَ ضَعِيفٌ، وَإِنَّهَا أَمَانَةٌ، وَإِنَّهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ خِزْيٌ وَنَدَامَةٌ، إِلَّا مَنْ أَخَذَهَا بِحَقِّهَا، وَأَدَّى الَّذِي عَلَيْهِ فِيهَا»[21]

"میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا آپ مجھے عامل نہیں بنائیں گے؟ آپ نے میرے کندھے پر ہاتھ مار کر فرمایا: "ابوذر! تم کمزور ہو، اور یہ (امارت) امانت ہے اور قیامت کے دن یہ شرمندگی اور رسوائی کا باعث ہو گی، مگر وہ شخص جس نے اسے حق کے مطابق قبول کیا اور اس میں جو ذمہ داری اس پر عائد ہوئی تھی اسے (اچھی طرح) ادا کیا۔ (وہ شرمندگی اور رسوائی سے مستثنیٰ ہو گا)"

ہر انسان کو دی جانے والی زندگی بھی اللہ کی امانت ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اسے اخذ میثاق [عہدِ الست][22] کے بعد (کہ وہی ہمارا ربّ ہے، توحید ربوبیت) اس عہد کی تکمیل کے لئے دی کہ وہ اپنی زندگی میں اس عہد کو پورا کر کے دکھائے۔ اور ہر انسان ہی اسلام میں مسئول و ذمہ دار ہے، اور اس سے اس کی ذمہ داری کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ فرمانِ نبوی ہے جسے سیدنا عبداللہ ابن عمر نے روایت کیا ہے:

«كُلُّكُمْ رَاعٍ فَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، فَالأَمِيرُ الَّذِي عَلَى النَّاسِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُمْ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُمْ، وَالمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى بَيْتِ بَعْلِهَا وَوَلَدِهِ وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْهُمْ، وَالعَبْدُ رَاعٍ عَلَى مَالِ سَيِّدِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُ، أَلاَ فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ»[23]

"تم میں سے ہر شخص حاکم ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہو گا۔ پس لوگوں کا حقیقی امیر ایک حاکم ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہو گا۔ (دوسرا) ہر آدمی اپنے گھر والوں پر حاکم ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہو گا۔ (تیسرا) عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کے بچوں پر حاکم ہے، اس سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہو گا۔ (چوتھا) غلام اپنے آقا (سید) کے مال کا حاکم ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہو گا۔ پس جان لو کہ تم میں سے ہر ایک حاکم ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں (قیامت کے دن) پوچھ ہو گی۔"

چنانچہ یہ امانت اور ذمہ داری ہر مسلمان کی اپنی ذات اور اپنے گھر پر ہے، بیوی کی اپنے شوہر کے گھر اور اولاد پر ہے، اور حاکم کی اپنی رعایا پر ہے، خادم کی اپنے مالک کے مال پر ہے۔ اور قیامت کے دن ہر امین

و مسئول سے اس کی امانت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

جب یہ مناصب سراسر امانت ہیں تو اس میں خیانت کرنے والے کی سزا روزِ قیامت جنت سے محرومی ہے:

وَقَالَ ﷺ: «لَا يَسْتَرْعِي اللهُ عَبْدًا رَعِيَّةً، يَمُوتُ حِينَ يَمُوتُ وَهُوَ غَاشٌّ لَهَا، إِلَّا حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ»[24]

"اللہ تعالیٰ کسی بندے کو کسی رعیت کا نگران بناتا ہے اور موت کے دن وہ اس حالت میں مرتا ہے کہ رعیت کے حقوق میں دھوکے بازی کرنے والا ہے تو اللہ اس پر جنت حرام کر دیتا ہے۔"

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

فإن الخلق عباد الله، والولاة نُوَّابُ اللهِ عَلَى عِبَادِهِ، وَهُمْ وُكَلَاءُ الْعِبَادِ على نفوسهم؛ بِمَنْزِلَةِ أَحَدِ الشَّرِيكَيْنِ مَعَ الْآخَرِ؛ فَفِيهِمْ مَعْنَى الْوِلَايَةِ وَالْوَكَالَةِ[25]

"اللہ کی مخلوق اللہ کے بندے ہیں، اور مسلم حکام اللہ کے بندوں پر اللہ کے نائب[26] ہیں۔ اور وہ بندوں پر ان کی جانوں کے ذمہ دار[27] ہیں۔ جیسا کہ دو شریک ایک دوسرے کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ سو ان میں ولایت یعنی حکومت اور وکالت یعنی تفویض بیک وقت پائی جاتی ہے۔"

برصغیر کے عالم ربانی اور عظیم مجاہد شاہ اسماعیل شہید (م: 1831ء) 'امام' کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

" لفظ امام سے مراد مطلق امام نہیں، بلکہ وہ امام جس کا تعلق سیاست سے ہو... امام سے مراد صاحبِ دعوت ہے جس نے جہاد کا جھنڈا اعدائے دین پر بلند کیا اور تمام مسلمانوں کو اس معرکے میں بلایا، اور شرعِ مبین کی اعانت پر کمر باندھی، سیاستِ دین کی مسند پر بیٹھا۔ سوائے ملت کے مذہب کے، دوسرا مذہب نہ پکڑا، اور طریقہ سنت کے سوا دوسرا طریقہ اختیار نہ کیا۔ عدالت و سیاست میں آئین نبوی کے سوا کوئی دوسرا طریقہ نہ بنایا۔ قوانین مصطفوی کے سوا کوئی دوسرا قانون نہ چھانٹا۔" [28]

منصبی امانت کا تقاضا: حاکم کا یہ بھی منصبی فرض ہے کہ اپنے نائب ان کو مقرر کرے، جو معاشرے اور حکومت کو شرعی مقاصد کی طرف لے جانے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ اگر وہ اپنی پسند ناپسند یا اپنی تائید، یا خاندانی قوت کے فروغ، یا مال کو جمع کرنے کی غرض سے کسی کو حاکم مقرر کرے گا تو یہ بھی امانت کی خلاف ورزی ہے اور خیانت کے مترادف ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

فَلِهَذَا لَمَّا غَلَبَ عَلَى أَكْثَرِ الْمُلُوكِ قَصْدُ الدُّنْيَا، دُونَ الدِّينِ؛ قَدَّمُوا فِي وِلَايَتِهِمْ مَنْ يُعِينُهُمْ عَلَى تِلْكَ الْمَقَاصِدِ، وَكَانَ مَنْ يَطْلُبُ رِئَاسَةَ نَفْسِهِ، يُؤْثِرُ تَقْدِيمَ مَنْ يُقِيمُ رِئَاسَتَهُ.[29]

"جب دنیا کے اکثر حکام پر دنیوی مقاصد غالب آگئے، دین کو نظر انداز کرتے ہوئے، تو انہوں نے اپنی حکومتوں میں ایسے لوگوں کو عہدے دیے جو ان کے دنیوی مقاصد میں ان کی تائید کر سکتے۔ اور ہر وہ شخص جو اپنی چودھراہٹ چاہتا ہے، اسی کو آگے کرتا ہے جو اسکی حکومت و ریاست کو تحفظ دے۔"

امانت میں منصبی امانت بھی شامل ہے، چنانچہ فرمانِ نبویؐ ہے کہ ''مناصب امانت اور ندامت ہیں۔'' [30] اور کسی منصب کے لئے حاکم پر اللہ کی کامل اطاعت از بس ضروری ہے [31] اور عہدیدار کا کام ہے کہ قرابت داری اور اُمیدواری کی بجائے سراسر شرعی اہلیت کی بنا پر ہی ذمہ داریاں دے، اس کے پیشِ نظر دنیوی جاہ و جلال، ذاتی تقویت اور جمع مال ہر گز نہ ہو، وہ اپنے ماتحتوں میں اللہ کے دین کو قائم کرنے والا ہو، وگرنہ وہ بقول امام ابن تیمیہ: خائن اور چوروں کا سردار ہے اور اس کا ربّ اس سے ناراض [32] ہے۔ فرمانِ نبویؐ کے مصداق ''ایسا حاکم جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا۔''

تیسری قسم: امانتِ مالیہ

امانت کو عام طور پر اسی معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں اس خیانت کی مذمت اور اس کی وجہ اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمائی:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝۲۷ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ۝۲۸ ﴾ (الانفال: 27، 28)

''اے ایمان والو! دیدہ دانستہ اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو اور نہ ہی تم آپس کی امانتوں میں خیانت کرو۔ اور جان لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہارے لئے آزمائش ہیں اور اللہ کے ہاں اجر دینے کو بہت کچھ ہے۔''

مولانا مفتی محمد شفیعؒ اس آیت کے تحت رقم طراز ہیں:

''مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں یا آپس میں بندوں کے حقوق میں خیانت نہ کریں کہ حق ادا ہی نہ کریں یا اس میں کوئی اور کوتاہی کرکے ادا کریں۔ آخر آیت میں وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ فرما کر یہ بتلا دیا کہ تم تو خیانت کی برائی اور اس کے وبال کو جانتے ہی ہو پھر اس پر اقدام کرنا قرینِ دانش مندی نہیں اور چونکہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی سے غفلت و کوتاہی کا سبب عموماً انسان کے اموال و اولاد ہوا کرتے ہیں، اس لئے اس پر تنبیہ کرنے کے لئے اگلی آیت نازل ہوئی۔''

حصولِ اقتدار عموماً اختیار و اقتدار اور چودھراہٹ کے لئے کیا جاتا ہے، اور اس کا دوسرا مقصد اموال کا جمع کرنا اور عزیز و اقارب کے لئے منافع کا حصول ہے۔ علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

فَالْوَاجِبُ اتِّخَاذُ الْإِمَارَةِ دِينًا وَقُرْبَةً يُتَقَرَّبُ بِهَا إِلَى اللهِ؛ فَإِنَّ التَّقَرُّبَ إِلَيْهِ فِيهَا بِطَاعَتِهِ وَطَاعَةِ رَسُولِهِ مِنْ أَفْضَلِ الْقُرُبَاتِ. وَإِنَّمَا يَفْسُدُ فِيهَا حَالُ أَكْثَرِ النَّاسِ لِابْتِغَاءِ الرِّيَاسَةِ أَوْ الْمَالِ بِهَا.[33]

''ضروری ہے کہ دین داری اور اللہ کے تقرب و رضا کیلئے ہی اقتدار کو قبول کیا جائے۔ اور اقتدار میں

اللہ کا تقرب اللہ کی اطاعت اور اسکے رسول کی اطاعت کے ذریعے کرنا، تقرب کی بہترین شکل ہے لیکن اکثر لوگوں کا حال خراب ہے کہ اقتدار کو چودھراہٹ یا حصول مال کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

مزید فرماتے ہیں کہ اقتدار اصلاً بری چیز نہیں، نہ ہی حکام کے پاس بیٹھنا، لیکن

وَلَمَّا غَلَبَ عَلَى كَثِيرٍ مِنْ وُلَاةِ الْأُمُورِ إرادة المال والشرف وصاروا بمعزل عن حقيقة الإيمان في ولايتهم رأى كثير من الناس أن الإمارة تنافي الْإِيمَانِ وَكَمَالِ الدِّينِ.[34]

"جب اکثر حکام پر مال اور ناموری کی خواہش غالب آگئی اور اپنی حکومت میں انہوں نے حقیقت ایمان کو نظر انداز کر دیا تو لوگوں نے بھی یہ سمجھنا شروع کر دیا کہ اقتدار ایمان اور کمال دین کے منافی ہے۔"

جبکہ ان مقاصد کے لئے عہدے اور حصولِ اقتدار سراسر ناجائز ہے۔ کیونکہ اقتدار کے یہ دو ناجائز مقاصد فرعون و قارون کے تھے اور ان کا دنیا و آخرت میں بدانجام سب کے سامنے ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ان دو مقاصد اقتدار کو بدترین ہلاکتیں قرار دیا ہے:

«مَا ذِئْبَانِ جَائِعَانِ أُرْسِلَا فِي غَنَمٍ بِأَفْسَدَ لَهَا مِنْ حِرْصِ الْمَرْءِ عَلَى الْمَالِ وَالشَّرَفِ لِدِينِهِ»[35]

" دو بھوکے بھیڑیے اگر بھیڑوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیے جائیں تو وہ اس کو اتنا نقصان نہیں پہنچاتے جتنا کہ دو چیزیں نقصان پہنچاتی ہیں: کثرتِ مال اور نام و نمود کی خواہش۔"

اقتدار و اختیار اور مال و دولت روزِ قیامت کسی کام نہیں آئیں گے، جیسا کہ قرآن نے جہنمیوں کا نقشہ کھینچا ہے:

﴿مَآ أَغْنَىٰ عَنِّي مَالِيَهْ ۜ ﴿٢٨﴾ هَلَكَ عَنِّي سُلْطَٰنِيَهْ ﴿٢٩﴾﴾ (الحاقۃ: ۲۹، ۲۸)

"میرے مال نے مجھے کچھ نفع نہ دیا اور میری حکومت بھی مجھ سے جاتی رہی۔"

اور ان دو ناجائز مقاصد کے لئے سیاست کرنے والا کس کا جانشین ہے؟... ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

وَغَايَةُ مُرِيدِ الرِّيَاسَةِ أَنْ يَكُونَ كَفِرْعَوْنَ، وَجَامِعِ الْمَالِ أَنْ يَكُونَ كَقَارُونَ، وَقَدْ بَيَّنَ اللهُ تَعَالَى فِي كِتَابِهِ حَالَ فِرْعَوْنَ وَقَارُونَ.[36]

"چودھراہٹ کا متلاشی فرعون جیسا اور مال کا حریص قارون جیسا ہے اور دونوں کا انجام اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں خوب کھول کر بیان کر دیا ہے۔" (جیسا کہ اوپر کی آیت میں گزرا)

شاہ اسماعیل شہید نے حکومت کی دوسری قسم 'سلطنتِ جابرہ' قرار دی اور اس کا نقشہ یوں کھینچا:

"سلطانِ جابر سے وہ شخص مراد ہے جس پر نفس امارہ اس قدر حکمران ہو کہ نہ تو اسے خوفِ خدا مانع

ہو سکتا ہے اور نہ مخلوق کی شرم۔ نفس امارہ جو بھی اس سے کہے، بلا تکلف بجالاتا ہے بلکہ سلطنت کا ثمرہ لذاتِ نفسانیہ کو پورا کرنا ہی سمجھتا ہے... کسی کو تکبر و جبر مرغوب ہے، کسی کو ناز و تبختر، کسی کو تعدی وجور، کسی کو فسق و فجور، کسی کو منشیات و مُسکِرات، کسی کو لذیذ کھانے، کسی کو نفیس لباس، کسی کو لہو و لعب اور کسی کو نشاط و طرب... نفس امارہ کی ہوا و ہوس کے ہزاروں مقدمات ہیں، سو اس کے چند اصول اور بے شمار فروع ہیں۔ جن میں سے

(1) ایک حبِ مال ہے: مال جمع کرنا ان کا بہترین مشغلہ اور بہترین لذت ہوتی ہے، خزائن و دفائن کی زیادتی کے ہر رستے کو تلاش کرتے ہیں۔ اہل زراعت و تجارت اور اغنیا و فقرا سے ایک ایک دانہ گن کے لیتے ہیں، ہر حیلے بہانے سے مال کو جمع کریں۔ خود بھی اور ان کے ہم نشین جمع مال میں ساری صلاحیتیں صرف کرتے ہیں، وہی مشیر باتدبیر اور امیر کبیر ہے جس نے جمع مال کی کوئی اچھی اور نئی تدبیر نکالی۔

(2) ان کا دوسرا اُصول غلبہ و تکبّر ہے: بعض لوگ فطرتاً دعا پسند، خود پسند، خود ستائی، سرکش ہوتے ہیں۔ اپنے کو بلند، دوسروں کو حقیر جانتے ہیں۔ اپنے ادنیٰ ہنر کو دوسروں کے کمال کے مقابلہ میں بلند رتبہ سمجھتے ہیں۔ دوسرں کی ذلت کو اپنی عزت اور مسلمانوں کی عار کو اپنی عظمت خیال کرتے ہیں۔ ان کی حکومت کی انتہا یہ ہوتی ہے کہ کوئی ان سے مشارکت نہ کر سکے، مشابہت کی راہ نہ پاسکے۔ ایسا شخص منصبِ سلطنت پر پہنچ کر تکبر سے رفتار و گفتار، نشست و برخاست، القاب و آداب اور تمام عادات و معاملات میں اپنے آپ کو ممتاز سمجھتا ہے۔ مساوات کی راہ مسدود اور ہر اہم چیز کو اپنے لئے خاص کر دیتا ہے۔ ایسا حاکم چاہتا ہے کہ اس کے آئین و قوانین، اصول دین اور احکام شرع متین کے مقابلہ میں عوام میں زیادہ مقبول ہوں۔ اس کا تو جی چاہتا ہے کہ اس کو بندگانِ الٰہی اور اتباعِ رسول سے بھی نہ ہی شمار کیا جائے۔

(3) ان کا تیسرا اُصول عیاشی ہے: سلطانِ جابر کی ساری توجہ قوتِ شہوانی سے مغلوب اور ساری ہمتیں لذاتِ نفسانیہ کی تکمیل اور جسمانی راحت کے حصول میں مشغول رہتی ہیں۔ رات دن بعام مرغوب، لباس خوش اسلوب، و شربِ خمور میں مست رہتے ہیں۔ شطرنج بازی و مزمار نوازی اور محافل رقص و سرود کے برپا کرنے، اغلام و جماع میں منہمک رہنے والے، عمارتیں اور باغات بنانے میں لگے رہنے والے، فسق و فجور کی داد دینے والے۔ ان کے وزیر باتدبیر لہو و لعب اور نشاط و طرب کے نت نئے طریقے ڈھونڈتے اور اس کو کمال فن تک پہنچاتے ہیں۔ جہاں حکام یہ کام کریں تو رعایا میں ظلم و جور پھیل جاتا اور سلاطین کی یہ خرابیاں فسق و فجور، ظلم و تعدی اور فسادِ ملک کا سبب بن جاتی ہیں۔"[37]

الغرض امانت کی تیسری صورت مالی ہے۔ حاکم کی مالی خیانت یہ بھی ہے کہ وہ مسلمانوں کا مال ذاتی جاگیر سمجھ کر لوگوں میں بانٹے، اعلائے کلمۃ اللہ کی بجائے اپنے اقتدار اور خواہشات کے لئے اس مال کو بے

جا استعمال کرتا پھرے۔ لوگوں کے اموال کی بہانے بہانے سے لوٹ کھسوٹ اس کا مشغلہ ہو، تو اس کے اعوان وانصار کو ناجائز مال دینا گناہ میں اس کی مدد کرنا ہے اور ایسے مال کو اصل مالکوں تک لوٹانے کے سوا کوئی چارہ نہیں[38]۔ فرمانِ رسول ﷺ کے مطابق "خائن حاکم روزِ قیامت اپنی مقعد پر رسوائی کا جھنڈا لے کر بدنامی کا شعار اور جہنم کا ایندھن[39] بن جائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو امانت کے تقاضے پورے کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ ☆☆

حوالہ جات وحواشی

1 اٹھارویں ترمیم 2010ء، نمبر 10 کی دفعہ 20 کی رو سے آرٹیکل 62 کو اس متن سے تبدیل کر دیا گیا۔

2 دعوت الی اللہ میں انبیاے کرام کا منہج، ترجمہ منهج الأنبياء في الدعوة الى الله: ص 104، ناشر: مکتبہ احیاء منہج السلف: 2011ء

3 مستدرک حاکم: 1/ 628، دار الحرمین، مصر؛ مسند احمد: 24/ 262، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت

4 صحيح البخاري: كِتَابُ المَغَازِي، بَابُ بَعْثِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ عَلَيْهِ السَّلاَمُ...: رقم 4351

5 جامع ترمذی: رقم 1213 وقال: حديث حسن غريب صحيح، سنن نسائی: 7/ 294، البيوع: باب البيع إلى أجل معلوم، وقال محقق «جامع الأصول»: إسناده صحيح. (10/ 660)

6 الرحيق المختوم عربی: 1/ 84 بحوالہ سیرۃ ابن ہشام

7 صحيح البخاري: كِتَابُ الجِهَادِ وَالسِّيَرِ (بَابُ دُعَاءِ النَّبِيِّ النَّاسَ إِلَى الإِسْلاَمِ وَالنُّبُوَّةِ)، رقم 2941

8 مسند احمد: مسند علی بن ابی طالب، رقم 859، قال شعیب ارناؤط: اسنادہ ضعیف

9 صحيح البخاري: كِتَابُ أَخْبَارِ الآحَادِ (بَابُ مَا جَاءَ فِي إِجَازَةِ خَبَرِ الوَاحِدِ)، رقم 7254

10 صحيح البخاري: كِتَابُ المَغَازِي (بَابُ قِصَّةِ أَهْلِ نَجْرَانَ)، رقم 4382

11 مسند احمد: 1/ 47... وقال أحمد شاكر: إسناده صحيح، وأصل الحديث في البخاري. (1/ 295)

12 صحيح البخاري: كِتَابُ الِاعْتِصَامِ بِالكِتَابِ وَالسُّنَّةِ (بَابُ قَوْلِ الله: وَأَمْرُهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ)

13 «...أَكُنْتُمْ مُصَدِّقِيَّ؟» صحیح بخاری: رقم 4971 ... سورۃ یوسف: 51، 27 اور سورہ مریم: 54

14 مسند احمد: رقم 12383، قال شعیب ارناؤط: حدیث حسن

15 فیض القدیر از مناوی: 1/ 288

16 الكليات لقاضى أبو البقاء الكفوي 1094ھ، (176، 186) بحوالہ موسوعة نضرة النعيم ... زير الأمانة

17 تفسير القرطبي: 14/ 253- 258

18 تفسير النيسابوري (بهامش الطبري) :10 / 34، 35، حاشیہ 22

19 تفسير ابن كثير : 3/ 530

20 ویب سائٹ 'الاسلام سؤال وجواب': رقم 145741

21 صحيح مسلم: كِتَابُ الْإِمَارَةِ (بَابُ كَرَاهَةِ الْإِمَارَةِ بِغَيْرِ ضَرُورَةٍ)، رقم 4719

22 ﴿وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ﴾ (الاعراف: 172)
"اور جب آپ کے پروردگار نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور انہیں خود اپنے اوپر گواہ بنا کر پوچھا: "کیا میں تمہارا پروردگار نہیں؟" وہ (ارواح) کہنے لگیں: "کیوں نہیں! ہم یہ شہادت دیتے ہیں" (اور یہ اس لیے کیا) کہ قیامت کے دن تم نہ کہنے لگو کہ ہم تو اس بات سے بالکل بے خبر تھے۔"
23 صحيح البخاري :كِتَابُ العِتْقِ (بَابُ كَرَاهِيَةِ التَّطَاوُلِ)، رقم 2554
24 صحيح مسلم: كِتَابُ الْإِيمَانِ (بَابُ اسْتِحْقَاقِ الْوَالِي الْغَاشِّ لِرَعِيَّتِهِ النَّارَ)، رقم 364
25 السياسة الشرعية لابن تيمية مع شرح ابن عثيمين: ص 37
26 یہاں نیابتِ الٰہیہ کی اضافت تشریفی ہے جس کے لئے زیادہ موزوں تعبیر 'اللہ کے نمائندے' کی ہے، جیسا کہ اسلام میں عوام کی طرف سے بھی حکام کی نمائندہ حیثیت کا تصوّر ہے جن کو وہ علاقائی کی بجائے ملی طور پر اپنا نمائندہ بناتے ہیں۔
27 وکیل: من يفوض إليه أمر شخص قاصر "جس کو کسی قاصر شخص کے کام کی ذمہ داری تفویض کی جائے۔"
28 'منصبِ امامت' از شاہ اسمٰعیل شہید: ص 178، ناشر: حنیف اینڈ سنز، 2008ء
29 السياسة الشرعية لابن تيمية مع شرح ابن عثيمين: ص 63
30 صحيح مسلم: كِتَابُ الْإِمَارَةِ (بَابُ كَرَاهَةِ الْإِمَارَةِ بِغَيْرِ ضَرُورَةٍ)، رقم 4719
31 صحيح مسلم: كِتَابُ الْإِيمَانِ (بَابُ اسْتِحْقَاقِ الْوَالِي الْغَاشِّ لِرَعِيَّتِهِ النَّارَ)، رقم 364
32 السياسة الشرعية لابن تيمية: ص 58
33 السياسة الشرعية لابن تيمية :130
34 السياسة الشرعية لابن تيمية :132
35 جامع الترمذي، أَبْوَابُ الزُّهْدِ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ، بَابُ حَدِيثِ مَا ذِئْبَانِ: رقم 2376
36 السياسة الشرعية لابن تيمية :132
37 'منصبِ امامت' از شاہ اسمٰعیل شہید: ص 151 تا 164... حکام کی خرابیوں کی تفصیلات کے ساتھ ان کے شرعی حل بھی مذکور ہیں۔
38 السياسة الشرعية لابن تيمية مع شرح ابن عثيمين: 146
39 صحيح البخاري: كِتَابُ الجِزْيَةِ (بَابُ إِثْمِ الغَادِرِ لِلْبَرِّ وَالفَاجِرِ)، رقم 3186